# مرحوم کی یاد میں

ایک دن مرزا صاحب اور میں برآمدے میں ساتھ ساتھ کرسیاں ڈالے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ جب دوستی بہت پرانی ہو جائے تو گفتگو کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی اور دوست ایک دوسرے کی خاموشی سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں یہی حالت ہماری تھی ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں غرق تھے۔ مرزا صاحب تو خدا جانے کیا سوچ رہے تھے لیکن میں زمانے کی ناسازگاری پر غور کر رہا تھا۔ دور سڑک پر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک موٹر کار گزر جاتی تھی۔ میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میں جب کبھی کسی موٹر کار کو دیکھوں۔ مجھے زمانے کی ناسازگاری کا خیال ضرور ستانے لگتا ہے اور میں کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگتا ہوں جس سے دنیا کی تمام دولت سب انسانوں میں برابر تقسیم کی جا سکے۔ اگر میں سڑک پر پیدل جا رہا ہوں اور کوئی موٹر اس ادا سے گزر جائے کہ گرد و غبار میرے پھیپھڑوں، میرے دماغ، میرے معدے اور میری تلی تک پہنچ جائے تو اس دن میں گھر آ کر علم کیمیا کی وہ کتاب نکال لیتا ہوں جو میں نے ایف۔ اے میں پڑھی تھی اور اس غرض سے اس کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں کہ شاید بم بنانے کا کوئی نسخہ ہاتھ آ جائے۔

میں کچھ دیر تک آہیں بھرتا رہا۔ مرزا صاحب نے کچھ توجہ نہ کی آخر میں نے خاموشی کو توڑا اور مرزا صاحب سے مخاطب ہو کر بولا۔

''مرزا ہم میں اور حیوانوں میں کیا فرق ہے؟''

مرزا صاحب بولے ''بھئی! کچھ ہو گا ہی نا! آخر''

میں نے کہا ''میں بتاؤں تمہیں'' کہنے لگے ''بولو''

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں نے کہا ''کوئی فرق نہیں' سنتے ہو مرزا؟ کوئی فرق نہیں۔ہم میں اور حیوانوں میں۔۔۔۔۔کم از کم مجھ میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں! ہاں ہاں! میں جانتا ہوں تم مین میخ نکالنے میں بڑے طاق ہو' کہہ دو گے۔حیوان جگالی کرتے ہیں تم جگالی نہیں کرتے' ان کی دم ہوتی ہے تمہاری دم نہیں۔لیکن ان باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ ان سے تو صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے افضل ہیں۔لیکن ایک بات میں میں اور وہ بالکل برابر ہیں۔وہ بھی پیدل چلتے ہیں میں بھی پیدل چلتا ہوں اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے۔جواب نہیں۔کچھ ہے تو کہو بس چپ ہو جاؤ تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس دن سے پیدل چل رہا ہوں۔پیدل! تم پیدل کے معنی نہیں جانتے سینہ زمین پر اس طرح سے حرکت کرنا کہ دونوں پاؤں میں سے ایک ضرور زمین پر رہے۔یعنی تمام عمر میرے حرکت کرنے کا طریقہ یہی رہا ہے کہ ایک پاؤں زمین پر رکھتا ہوں اور دوسرا اُٹھاتا ہوں۔دوسرا رکھتا ہوں پہلا اٹھاتا ہوں۔ایک آگے ایک پیچھے' ایک پیچھے ایک آگے۔خدا کی قسم! اس طرح کی زندگی سے دماغ سوچنے کے قابل نہیں رہتا حواس بیکار ہو جاتے ہیں تخیل مرجاتا ہے آدمی گدھے سے بدتر ہو جاتا ہے۔''

مرزا صاحب میری اس تقریر کے دوران میں کچھ اس بے پروائی سے سگرٹ پیتے رہے کہ دوستوں کی بے پروائی پر رونے کو دل چاہتا تھا۔میں نے ازحد حقارت اور نفرت کے ساتھ منہ ان کی طرف سے پھیر لیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرزا کو میری باتوں پر یقین ہی نہیں آتا۔گویا میں اپنی جو تکالیف بیان کر رہا ہوں وہ محض خیالی ہیں۔یعنی میرا پیدل چلنے کے خلاف شکایت کرنا قابل توجہ ہی نہیں۔یعنی میں کسی سواری کا مستحق ہی نہیں میں نے دل میں کہا ''اچھا مرزا یوں ہی سہی دیکھو! تو میں کیا کرتا ہوں۔''

میں نے اپنے دانت بھینچ کر لئے اور کرسی کے بازو پر سے جھک کر مرزا کے قریب پہنچ گیا۔مرزا نے بھی سر میری طرف موڑا میں مسکرا دیا لیکن میرے تبسم میں زہر ملا ہوا تھا۔جب مرزا سننے کے لیے بالکل تیار ہو گیا تو میں نے چبا چبا کر کہا۔

''مرزا میں ایک موٹر کار خریدنے لگا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں بڑے استغناء کے ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

مرزا بولے'' کیا کہا تم نے' کیا خریدنے لگے ہو؟''

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں نے کہا "سنا نہیں تم نے' میں ایک موٹر کار خرید نے لگا ہوں۔ موٹر کار ایک ایسی گاڑی ہے جس کو بعض لوگ موٹر کہتے ہیں۔ بعض لوگ کار کہتے ہیں لیکن چونکہ تم ذرا کند ذہن ہو اس لیے میں نے دونوں لفظ استعمال کر دیئے تاکہ تمہیں سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔"

مرزا بولے "ہوں"

اب کے مرزا نہیں میں بے پروائی سے سگرٹ پینے لگا بھنویں میں نے اُوپر کو چڑھا لیں، سگرٹ والا ہاتھ میں منہ تک اس انداز سے لاتا اور ہٹاتا تھا کہ بڑے بڑے ایکٹر اس پر رشک کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد مرزا پھر بولے "ہوں"

میں نے سوچا اثر ہو رہا ہے مرزا صاحب پر رعب پڑ رہا ہے میں چاہتا تھا کہ مرزا کچھ بولے تاکہ مجھے معلوم ہو کہ یہاں تک مرعوب ہوا ہے لیکن مرزا نے پھر کہا "ہوں"

میں نے کہا "مرزا جہاں تک مجھے معلوم ہے تم نے اسکول اور کالج اور پھر گھر پر دو تین زبانیں سیکھی ہیں اور اس کے علاوہ تمہیں کئی ایسے الفاظ بھی آتے ہیں جو کسی سکول اور کالج یا شریف گھرانے میں نہیں بولے جاتے۔ پھر بھی اس وقت تمہارا کلام "ہوں" سے آگے نہیں بڑھتا۔ تم جلتے ہو مرزا اس وقت تمہاری جو ذہنی کیفیت ہے اس کو عربی زبان میں حسد کہتے ہیں۔

مرزا صاحب کہنے لگے "نہیں یہ بات تو نہیں میں تو صرف خرید نے کے لفظ پر غور کر رہا تھا۔ تم نے کہا میں ایک موٹر کار خرید نے لگا ہوں تو میاں صاحبزادے خریدنا تو ایک ایسا فعل ہے کہ اس کے لیے روپے وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وغیرہ کا بندوبست تو بخوبی ہو جائے گا لیکن روپے کا بندوبست کیسے کرو گے؟"

یہ نکتہ مجھے بھی نہ سوجھا تھا لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ میں نے کہا "میں اپنی کئی قیمتی اشیاء بیچ سکتا ہوں۔"

مرزا بولے "کون کون سی مثلاً؟"

میں نے کہا "ایک تو میں اپنا سگرٹ کیس بیچ ڈالوں گا۔"

مرزا کہنے لگے "چلو دس آنے تو یہ ہو گئے۔ باقی ڈھائی تین ہزار کا انتظام بھی اسی طرح ہو جائے تو سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کے بعد ضروری یہی معلوم ہوا کہ گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے روک دیا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جائے۔ چنانچہ میں مرزا سے بیزار ہو کر خاموش ہو رہا۔ یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ لوگ روپیہ کہاں سے لاتے ہیں۔ بہت سوچا آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ لوگ چوری کرتے ہیں اس سے ایک گونہ اطمینان ہوا۔

مرزا بولے ''میں تمہیں ایک ترکیب بتاؤں ایک بائیسکل لے لو۔''

میں نے کہا ''وہ روپیہ کا مسئلہ تو جوں کا توں رہا۔''

کہنے لگے ''مفت''

میں نے حیران ہو کر پوچھا ''مفت؟ وہ کیسے؟''

کہنے لگے '' مفت ہی سمجھو۔ آخر دوست سے قیمت لینا بھی کہاں کی شرافت ہے۔ البتہ تم احسان قبول کرنا گوارا نہ کرو تو اور بات ہے؟''

ایسے موقع پر جو ہنسی میں ہنستا ہوں اس میں معصوم بچے کی مسرت، جوانی کی خوشی، دلی اُبلتے ہوئے فواروں کی موسیقی اور بلبلوں کا نغمہ سب ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں یہ ہنسی ہنسا اور اس طرح ہنسا کہ کھلی ہوئی باچھیں پھر گھنٹوں تک اپنی اصلی جگہ پر واپس نہ آئیں۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ یک لخت کوئی خوشخبری سننے سے دل کی حرکت بند ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس سے محفوظ ہوں تو میں نے پوچھا '' ہے کس کی؟''

مرزا بولے ''میرے پاس ایک بائیسکل پڑی ہے تم لے لو۔''

میں نے کہا ''پھر کہنا، پھر کہنا!''

کہنے لگے '' بھئی! ایک بائیسکل میرے پاس ہے جب میری ہے تو تمہاری ہے۔ تم لے لو۔''

یقین مانیے مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ شرم کے مارے مَیں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ چودہویں صدی میں ایسی بے غرضی اور ایثار بھلا کہاں دیکھنے میں آتا ہے۔ میں نے کرسی سرکا کر مرزا کے پاس کر لی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اپنی ندامت اور ممنونیت کا اظہار کن الفاظ میں کروں۔

میں نے کہا '' مرزا سب سے پہلے میں اس گستاخی اور دُرشتی اور بے ادبی کے لیے معافی مانگتا ہوں جو ابھی ابھی میں نے تمہارے ساتھ گفتگو میں روا رکھی۔ دوسرے میں آج تمہارے سامنے ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم میری صاف گوئی کی داد

دو گے اور مجھے اپنی رحم دلی کے صدقے معاف کر دو گے۔ میں ہمیشہ تم کو از حد کمینہ، ممسک، خودغرض اور عیار انسان سمجھتا رہا ہوں۔ دیکھو! ناراض مت ہونا۔ انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے لیکن آج تم نے اپنی شرافت اور دوست پروری کا ثبوت دیا ہے اور مجھ پر ثابت کر دیا ہے کہ میں کتنا قابلِ نفرت، تنگ خیال اور حقیر شخص ہوں مجھے معاف کر دو۔''

میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ قریب تھا کہ میں مرزا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا اور اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اس کی گود میں سر رکھ دیتا۔ لیکن مرزا صاحب کہنے لگے۔

''واہ! اس میں میری فیاضی کیا ہوئی۔ میرے پاس ایک بائیسکل ہے جیسے میں سوار ہوا ویسے تم سوار ہوئے۔''

میں نے کہا ''مرزا مفت میں نہ لوں گا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔''

مرزا کہنے لگے ''بس اسی بات سے میں ڈرتا تھا تم حساس اتنے ہو کہ کسی کا احسان لینا گوارہ نہیں کرتے۔ حالانکہ خدا گواہ ہے احسان اس میں کوئی نہیں۔''

میں نے کہا ''خیر کچھ بھی سہی تم سچ مچ مجھے اس کی قیمت بتا دو۔''

مرزا بولے ''قیمت کا ذکر کر کے تم گویا مجھے کانٹوں میں گھسیٹتے ہو اور جس قیمت پر میں نے خریدی تھی وہ تو بہت زیادہ تھی، اب تو وہ اتنے کی رہی بھی نہیں۔''

میں نے پوچھا ''تم نے کتنے میں خریدی تھی؟''

کہنے لگے ''میں نے پونے دو سو روپے میں لی تھی لیکن اس زمانے میں بائیسکلوں کا رواج ذرا کم تھا اس لیے قیمتیں ذرا زیادہ تھیں۔''

میں نے کہا ''کیا بہت پرانی ہے؟''

بولے ''نہیں ایسی پرانی بھی کیا ہوتی۔ میرا لڑکا اس پر کالج آیا جایا کرتا تھا اور اسے کالج چھوڑے ابھی دو سال بھی نہیں ہوئے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ آج کل کی بائیسکلوں سے ذرا مختلف ہے۔ آج کل تو بائیسکلیں ٹین کی بنتی ہیں۔ جنہیں کالج کے سر پھرے لونڈے سستی سمجھ کر خرید لیتے ہیں۔ پرانی بائیسکلوں کے ڈھانچے مضبوط ہوا کرتے تھے۔''

''مگر مرزا صاحب پونے دو سو روپے تو میں ہرگز نہیں دے سکتا۔ اتنے روپے میرے پاس کہاں سے آئے میں تو اس سے آدھی قیمت بھی نہیں دے سکتا۔''

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مرزا کہنے لگے'' تو میں تم سے پوری قیمت تھوڑی مانگتا ہوں۔اول تو قیمت لینا نہیں چاہتا لیکن۔۔۔۔۔

میں نے کہا'' نہ مرزا قیمت تو تمہیں لینی پڑے گی اچھا تم یوں کرو میں تمہاری جیب میں کچھ روپے ڈال دیتا ہوں تم گھر جا کر گن لینا۔اگر تمہیں منظور ہو جائے تو کل بائیسکل بھیج دینا ورنہ روپے واپس کر دینا۔اب یہاں بیٹھ کر میں تم سے سودا چکاؤں۔یہ تو کچھ دکانداروں کی سی بات معلوم ہوتی ہے۔''

مرزا بولے'' بھئی! یہ تمہاری مرضی میں تو اب بھی یہی کہتا ہوں کہ قیمت ویمت جانے دو لیکن میں جانتا ہوں کہ تم نہ مانو گے۔''

میں اٹھ کر اندر کمرے میں آیا میں نے سوچا استعمال شدہ چیز کی لوگ عام طور پر آدھی قیمت دیتے ہیں لیکن جب میں نے مرزا سے کہا تھا کہ مرزا میں تو آدھی قیمت بھی نہیں دے سکتا تو مرزا اس پر معترض نہ ہوا تھا۔وہ بیچارا تو بلکہ یہی کہتا تھا کہ تم مفت ہی لے لو۔لیکن مفت میں کیسے لے لوں آخر بائیسکل ہے ایک سواری ہے۔فٹنوں اور گھوڑوں اور موٹروں اور ٹانگوں کے زمرے میں شمار ہوتی ہے۔بکس کو کھولا تو معلوم ہوا کہ ہست و بود کل چھیالیس روپے ہیں۔چھیالیس روپے تو ٹھیک رقم نہیں۔پینتالیس یا پچاس ہوں جب ہی بات ہے۔پچاس تو ہو نہیں سکتے اور اگر پینتالیس ہی دینے ہیں تو چالیس ہی کیوں نہ دیئے جائیں۔جن رقموں کے آخر میں صفر آتا ہے وہ رقمیں کچھ زیادہ معقول ہوتی ہیں۔بس ٹھیک ہے چالیس روپے دے دوں گا۔خدا کرے مرزا قبول کر لے۔

باہر آیا چالیس روپے مٹھی میں بند کر کے میں نے مرزا کی جیب میں ڈال دیئے اور کہا'' مرزا اس کی قیمت نہ سمجھنا لیکن اگر ایک مفلس دوست کی حقیر سی رقم منظور کرنا تمہیں اپنی توہین معلوم نہ ہو تو کل بائیسکل بھجوا دینا۔''

مرزا چلنے لگے تو میں نے پھر کہا کہ مرزا کل ضرور صبح ہی صبح بھجوا دینا۔رخصت ہونے سے پہلے میں نے پھر ایک دفعہ کہا'' کل صبح آٹھ نو بجے پہنچ جائے۔دیر نہ کرنا۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔۔۔اور دیکھو! مرزا میرے تھوڑے سے روپیوں کو بھی زیادہ سمجھنا۔۔۔۔۔خدا حافظ۔۔۔۔۔اور تمہارا بہت بہت شکریہ۔میں تمہارا ممنون ہوں اور میری گستاخی کو معاف کر

دینا۔دیکھو! نا! کبھی کبھی یونہی بے تکلفی میں۔۔۔۔۔کل صبح آٹھ نو بجے تک۔۔۔۔۔ ضرور۔۔خدا حافظ۔"

مرزا کہنے لگے" ذرا اس کو جھاڑ پونچھ لینا اور تیل وغیرہ ڈلوا لینا۔میرے نوکر کو فرصت ہوئی تو میں خود ہی ڈلوا دوں گا ورنہ تم خود ڈلوا لینا۔

میں نے کہا" ہاں ہاں! وہ سب کچھ ہو جائے گا تم کل ضرور بھیج دینا اور دیکھنا آٹھ بجے تک یا ساڑھے سات بجے تک پہنچ جائے اچھا۔۔۔۔۔خدا حافظ!"

رات کو بستر پر لیٹا تو بائیسکل پر سیر کرنے کے مختلف پروگرام تجویز کرتا رہا یہ ارادہ تو پختہ کر لیا کہ دو تین دن کے اندر اندر اردگرد کی تمام مشہور تاریخی عمارات اور کھنڈروں کو نئے سرے سے دیکھ ڈالوں گا۔اس کے بعد اگلے گرمی کے موسم میں ہوسکا تو بائیسکل پر کشمیر وغیرہ کی سیر کروں گا۔صبح صبح ہوا خوری کے لیے ہر روز نہر تک جایا کروں گا شام کو ٹھنڈی سڑک پر جہاں اور لوگ سیر کو نکلیں گے۔میں بھی سڑک کی صاف شفاف سطح پر ہلکے ہلکے خاموشی کے ساتھ ہاتھی دانت کی ایک گیند کی مانند گزر جاؤں گا۔ڈوبتے ہوئے آفتاب کی روشنی بائیسکل کے چمکیلے حصوں پر پڑے گی تو بائیسکل جگمگا اٹھے گی اور ایسا معلوم ہو گا جیسے ایک راج ہنس زمین کے ساتھ ساتھ اڑ رہا ہے۔وہ مسکراہٹ جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں ابھی تک میرے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔بارہا دل چاہا کہ ابھی بھاگ کر جاؤں اور اسی وقت مرزا کو گلے لگا لوں۔

رات کو خواب میں دعائیں مانگتا رہا کہ خدایا! مرزا بائیسکل دینے پر رضا مند ہو جائے۔صبح اٹھا تو اٹھتے کے ساتھ ہی نوکر نے یہ خوشخبری سنائی کہ حضور وہ بائیسکل آ گئی ہے۔

میں نے کہا" اتنی سویرے۔"

نوکر نے کہا" وہ تو رات ہی کو آ گئی تھی آپ سو گئے تھے میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا اور ساتھ ہی مرزا صاحب کا آدمی ڈھبریاں کسنے کا ایک اوزار بھی دے گیا ہے۔"

میں حیران تو ہوا کہ مرزا صاحب نے سائیکل بھجوا دینے میں اس قدر عجلت سے کیوں کام لیا۔لیکن اس نتیجے پر پہنچا کہ آدمی نہایت شریف اور دیانت دار ہیں۔روپے لے لیے تھے تو بائیسکل کیوں روک رکھتے۔

kutubistan.blogspot.com

نوکر نے کہا'' دیکھو! یہ اوزار یہیں چھوڑ جاؤ اور دیکھو! بائیسکل کو کسی کپڑے سے خوب اچھی طرح جھاڑو اور یہ موڑ پر جو بائیسکلوں والا بیٹھتا ہے۔اس سے جا کر بائیسکل میں ڈالنے کا تیل لے آؤ اور دیکھو! ابے بھاگا کہاں جا رہا ہے۔ہم ضروری بات تم سے کہہ رہے ہیں۔بائیسکل والے سے تیل کی ایک کُپی بھی لے آنا اور جہاں جہاں تیل دینے کی جگہ ہے وہاں تیل دے دینا اور بائیسکلوں والے سے کہنا کہ کوئی گھٹیا سا تیل نہ دے دے جس سے تمام پرزے ہی خراب ہو جائیں۔بائیسکل کے پرزے بڑے نازک ہوتے ہیں اور بائیسکل باہر نکال کر رکھو ہم ابھی کپڑے پہن کر آتے ہیں ہم ذرا سیر کو جا رہے ہیں اور دیکھو! صاف کر دینا اور بہت زور زور سے کپڑا ابھی مت رگڑنا بائیسکل کا پالش گھس جاتا ہے۔''

جلدی جلدی چائے پی۔غسل خانے میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ'' چل چل چنبیلی باغ میں'' گاتا رہا۔اس کے بعد کپڑے بدلے' اوزار کو جیب میں ڈالا اور کمرے سے باہر نکلا۔

برآمدے میں آیا تو برآمدے کیساتھ ہی ایک عجیب وغریب مشین نظر پڑی۔ٹھیک طرح پہچان نہ سکا کہ کیا چیز ہے نوکر سے دریافت کیا'' کیوں بے یہ کیا چیز ہے؟''

نوکر بولا'' حضور یہ بائیسکل ہے۔''

میں نے کہا'' بائیسکل؟ کس کی بائیسکل؟''

کہنے لگا'' مرزا صاحب نے بھجوائی ہے آپ کے لیے۔''

میں نے کہا'' اور جو بائیسکل رات کو انہوں نے بھیجی تھی وہ کہاں گئی؟''

کہنے لگا'' یہی تو ہے۔''

میں نے کہا'' کیا بکتا ہے جو بائیسکل مرزا صاحب نے کل رات کو بھیجی تھی وہ بائیسکل یہی ہے؟''

کہنے لگا'' جی ہاں!''

میں نے کہا'' اچھا'' اور پھر اسے دیکھنے لگا۔

'' اس کو صاف کیوں نہیں کیا؟''

'' حضور دو تین دفعہ صاف کیا ہے۔''

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"تو یہ میلی کیوں ہے؟"

نوکر نے اس کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

"اور تیل لایا؟"

"ہاں! حضور لایا ہوں۔"

"دیا"

"حضور وہ جو تیل دینے کے چھید ہوتے ہیں وہ نہیں ملتے۔"

"کیا وجہ؟"

"حضور دُھروں پر میل اور زنگ جما ہے۔ وہ سوراخ کہیں بیچ میں ہی دب دبا گئے ہیں۔"

رفتہ رفتہ میں اس چیز کے قریب آیا جس کو میرا نوکر بائیسکل بتا رہا تھا۔ اس کے مختلف پرزوں پر غور کیا تو اتنا ثابت ہو گیا کہ بائیسکل ہے۔ لیکن مجمل ہیئت سے یہ صاف ظاہر تھا کہ کل اور راہٹ اور چرخہ اور اسی طرح کی اور جدید ایجادات سے پہلے بنی ہوئی ہے۔ پہیے کو گھما گھما کر وہ سوراخ تلاش کیا۔ جہاں کسی زمانے میں تیل دیا جاتا تھا لیکن اب اس سوراخ میں سے آمد و رفت کا سلسلہ بند تھا۔ چنانچہ نوکر بولا "حضور وہ تیل تو سب اِدھر اُدھر بہہ جاتا ہے۔ بیچ میں تو جاتا ہی نہیں۔"

میں نے کہا "اچھا اُوپر اُوپر ہی ڈال دو یہ بھی مفید ہوتا ہے۔"

آخر کار سائیکل پر سوار ہوا پہلا ہی پاؤں چلایا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے۔ گھر سے نکلتے ہی کچھ تھوڑی سی اترائی تھی۔ اس پر بائیسکل خود بخود چلنے لگی لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتا ہے اور ساتھ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونی شروع ہوئیں۔ ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے۔ چیں چاں چوں قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہیے سے نکلتی تھی۔ کھٹ، کھڑ کھڑ کی قبیل کی آوازیں مڈگارڈوں سے آتی تھیں۔ چر۔ چرخ۔ چر۔ چرخ کی قسم کے سر زنجیر اور پیڈل سے نکلتے تھے۔ زنجیر ڈھیلی ڈھیلی تھی میں جب کبھی پیڈل پر دباؤ ڈالتا تھا۔ زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی جس سے وہ تن جاتی تھی اور چڑ چڑ بولنے لگتی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی۔ پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے کو چلتا تھا اور اس کے علاوہ داہنے سے بائیں اور بائیں سے داہنے کو بھی حرکت کرتا تھا۔ چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑتا جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا ہے۔ مڈگارڈ تھے تو سہی لیکن پہیوں کے عین اوپر نہ تھے۔ ان کی مدد سے صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت سیر کو نکلے اور آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو مڈگارڈوں کی بدولت ٹائر دھوپ سے بچے رہیں گے۔ اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ قدرے زمین سے اوپر اٹھ جاتا تھا اور میرا سر پیچھے کو یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مارے جا رہا ہو۔ پچھلے اور اگلے پہیے سے چوں چوں پھٹ۔ چوں چوں پھٹ۔۔۔۔۔ کی صدا نکل رہی تھی۔ جب اتار پر بائیسکل ذرا زیادہ تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آ گیا اور بائیسکل کے کئی اور پرزے جو اب تک سو رہے تھے۔ بیدار ہو کر گویا ہوئے۔ ادھر ادھر کے لوگ چونکے ماؤں نے اپنے بچوں کو سینوں سے لگا لیا۔ کھڑڑ کھڑڑ کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی۔ لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی اس لیے چوں چوں پھٹ کی آواز نے اب چچوں پھٹ چچوں پھٹ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ تمام بائیسکل کسی اڈق افریقی زبان کی گردانیں دہرا رہی تھی۔

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کی طبع نازک پر گراں گزری۔ چنانچہ اس میں یک لخت دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں۔ ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جا تو سامنے کو رہا تھا۔ لیکن میرا تمام جسم دائیں طرف کو مڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بائیسکل کی گدی دفعتہً چھ انچ کے قریب نیچے بیٹھ گئی۔ چنانچہ جب پیڈل چلانے کے لیے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میری ٹھوڑی تک پہنچ جاتے تھے۔ کمر دہری ہو کر باہر کو نکلی ہوئی تھی اور ساتھ ہی اگلے پہیے کی اٹکھیلیوں کی وجہ سے سر برابر جھٹکے کھا رہا تھا۔

گدی کا نیچا ہونا از حد تکلیف دہ ثابت ہوا اس لیے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کو ٹھیک کر لوں۔ چنانچہ میں نے بائیسکل کو ٹھہرا لیا اور نیچے اترا۔ بائیسکل کے ٹھہر جانے سے یک لخت جیسے دنیا میں ایک خاموشی سی چھا گئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے میں کسی ریل کے اسٹیشن سے نکل کر باہر آ گیا ہوں جیب سے میں نے اوزار نکالا۔ گدی کو اونچا کیا کچھ ہینڈل کو ٹھیک

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا اور دوبارہ سوار ہو گیا۔

دس قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ اب ہینڈل یک لخت نیچا ہو گیا۔ اتنا کہ گدی اب ہینڈل سے کوئی فٹ بھر اونچی تھی۔ میرا تمام جسم سامنے کو جھکا ہوا تھا۔ تمام بوجھ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور برابر جھٹکے کھا رہے تھے۔ آپ میری حالت کو تصور کریں تو معلوم ہو گا کہ میں دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی عورت آٹا گوندھ رہی ہو۔ مجھے اس مشابہت کا احساس بہت تیز تھا جس سے میرے ماتھے پر پسینہ آ گیا میں دائیں بائیں لوگوں کو کنکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا۔ یوں تو ہر شخص میل بھر پہلے ہی مڑ مڑ کر دیکھنے لگتا تھا ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے لیے میری مصیبت ضیافت طبع کا باعث نہ ہو۔

ہینڈل تو نیچا ہو ہی گیا تھا تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچی ہو گئی اور میں ہمہ تن زمین کے قریب پہنچ گیا۔ ایک لڑکے نے کہا "دیکھو! یہ آدمی کیا کر رہا ہے۔" گویا اس بدتمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا میں نے اتر کر پھر ہینڈل اور گدی کو اونچا کیا۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک نہ ایک پھر نیچا ہو جاتا۔ وہ لمحے جن کے دوران میں میرے ہاتھ اور میرا جسم برابر ایک ہی بلندی پر واقع ہوں۔ بہت ہی کم تھے اور ان میں بھی میں یہی سوچتا رہتا تھا کہ اب کے گدی پہلے بیٹھے گی یا ہینڈل؟ چنانچہ نڈر ہو کر نہ بیٹھتا بلکہ جسم کو گدی سے قدرے اوپر ہی رکھتا لیکن اس سے ہینڈل پر اتنا بوجھ پڑ جاتا کہ وہ نیچا ہو جاتا۔

جب دو میل گزر گئے اور بائیسکل کی اٹھک بیٹھک نے ایک مقرر باقاعدگی اختیار کر لی تو میں نے فیصلہ کیا کہ کسی مستری سے پیچ کسوا لینے چاہئیں۔ چنانچہ بائیسکل کو ایک دکان پر لے گیا۔

بائیسکل کی کھڑ کھڑ سے جتنے لوگ کام کر رہے تھے۔ سب کے سب سر اٹھا کر میری طرف دیکھنے لگے لیکن میں نے جی کڑا کر کے کہا "ذرا اس کی مرمت کر دیجیے۔"

ایک مستری آگے بڑھا لوہے کی ایک سلاخ اس کے ہاتھ میں تھی جس سے اس نے مختلف حصوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ ٹھوک بجا کر دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا اس نے بڑی تیزی کے ساتھ سب حالات کا اندازہ لگا لیا ہے لیکن پھر مجھ سے پوچھنے لگا "کس کس پرزے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی مرمت کرائیے گا۔"

میں نے کہا "بڑے گستاخ ہو تم دیکھتے نہیں کہ صرف ہینڈل اور گدی کو ذرا نیچا کروا کے کسوانا ہے۔ بس اور کیا؟ ان کو مہربانی کر کے فوراً ٹھیک کر دو اور بتاؤ کہ کتنے پیسے ہوئے؟"

مستری کہنے لگا "مڈگارڈ بھی ٹھیک نہ کر دوں؟"

میں نے کہا "ہاں! وہ بھی ٹھیک کر دو۔"

کہنے لگا "اگر باقی چیزیں بھی ٹھیک کرا لیں تو اچھا ہو۔"

میں نے کہا "اچھا کر دو۔"

بولا "یوں تھوڑی ہو سکتا ہے۔ دس پندرہ دن کا کام ہے آپ اسے ہمارے پاس چھوڑ جائیے۔"

"اور پیسے کتنے لو گے؟"

کہنے لگا "بس تیس چالیس روپے لگیں گے۔"

ہم نے کہا "بس جی جو کام تم سے کہا ہے کر دو اور باقی ہمارے معاملات میں دخل مت دو۔"

تھوڑی دیر میں ہینڈل اور گدی پھر اونچی کر کے کس دی گئی۔ میں چلنے لگا تو مستری نے کہا۔ "میں نے تو کس دیا ہے لیکن پیچ سب گھسے ہوئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد پھر ڈھیلے ہو جائیں گے۔"

میں نے کہا "ہیں! بدتمیز کہیں کا۔ تو دو آنے پیسے مفت میں لے لئے؟"

بولا "جناب! آپ کو بائیسکل بھی تو مفت میں ملی ہو گی۔ یہ آپ کے دوست مرزا صاحب کی ہے نا!؟............ للو یہ وہی بائیسکل ہے جو پچھلے سال مرزا صاحب یہاں بیچنے کو لائے تھے۔ پہچانی تم نے؟ بھئی! صدیاں ہی گزر گئیں لیکن اس بائیسکل کی خطا معاف ہونے میں نہیں آتی۔"

میں نے کہا "واہ! مرزا صاحب کے لڑکے اس پر کالج آیا جایا کرتے تھے اور ان کو ابھی کالج چھوڑے دو سال بھی نہیں ہوئے۔"

مستری نے کہا "ہاں! وہ تو ٹھیک ہے لیکن مرزا صاحب خود جب کالج میں پڑھتے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھے تو ان کے پاس بھی تو یہی سائیکل تھی۔"

میری طبیعت یہ سن کر کچھ مردہ سی ہوگئی۔ میں بائیسکل کو ساتھ لیے آہستہ آہستہ پیدل چل پڑا۔لیکن پیدل چلنا بھی مشکل تھا اس بائیسکل کے چلانے میں ایسے ایسے پٹھوں پر زور پڑتا تھا جو عام بائیسکلوں کے چلانے میں استعمال نہیں ہوتے۔اس لیے ٹانگوں اور کندھوں اور کمر اور بازوؤں میں جابجا درد ہو رہا تھا۔مرزا کا خیال رہ رہ کر آتا تھا لیکن میں ہر بار کوشش کر کے اسے دل سے ہٹا دیتا تھا ورنہ میں پاگل ہو جاتا اور جنوں کی حالت میں پہلی حرکت مجھ سے یہ سرزد ہوتی کہ مرزا کے مکان کے سامنے بازار میں ایک جلسہ منعقد کرتا۔جس میں مرزا کی مکاری، بے ایمانی اور دغا بازی پر ایک طویل تقریر کرتا۔کل بنی نوع انسان اور آئندہ آنے والی نسلوں کو مرزا کی ناپاک فطرت سے آگاہ کر دیتا۔اور اس کے بعد ایک چتا جلا کر اس میں زندہ جل کر مر جاتا۔

میں نے بہتر یہی سمجھا کہ جس طرح ہو سکے، اب اس بائیسکل کو اونے پونے داموں کو بیچ کر جو وصول ہو، اسی پر صبر شکر کروں، بلا سے دس پندرہ روپے کا خسارہ سہی۔چالیس کے چالیس روپے تو ضائع نہ ہوں گے۔راستے میں بائیسکلوں کی ایک دکان آئی وہاں ٹھہر گیا۔

دکاندار بڑھ کر میرے پاس آیا لیکن میری زبان کو جیسے قفل لگ گیا تھا۔عمر بھر کبھی کسی چیز کے بیچنے کی نوبت نہ آئی تھی مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایسے موقع پر کیا کہتے ہیں۔آخر بڑے سوچ بچار اور بڑے تامل کے بعد منہ سے صرف اتنا نکلا کہ "یہ بائیسکل ہے۔"

دکاندار کہنے لگا "پھر"

میں نے کہا "لو گے؟"

کہنے لگا "کیا مطلب؟"

میں نے کہا "بیچتے ہیں ہم"

دکاندار نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا کہ مجھے یہ محسوس ہوا مجھ پر چوری کا شبہ کر رہا ہے۔پھر بائیسکل کو دیکھا پھر مجھے دیکھا پھر بائیسکل کو دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔آدمی کون سا ہے اور بائیسکل کونسی ہے آخر کار بولا "کیا کریں گے آپ اس کو بیچ کر۔"

ایسے سوالوں کا خدا جانے کیا جواب ہوتا ہے میں نے کہا "کیا یہ پوچھنا چاہتے ہو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کہ جو روپے مجھے وصول ہوں گے ان کا مصرف کیا ہوگا؟''

کہنے لگا ''وہ تو ٹھیک ہے مگر کوئی اس کو لے کر کرے گا کیا؟''

میں نے کہا ''اس پر چڑھے گا اور کیا کرے گا؟''

کہنے لگا ''اچھا! چڑھ گیا پھر؟''

میں نے کہا ''پھر کیا؟ پھر چلائے اور کیا؟''

دکاندار بولا ''اچھا؟ ہوں! خدا بخش ذرا یہاں آنا یہ بائیسکل بکنے آئی ہے۔''

جن حضرت کا اسم گرامی خدا بخش تھا انہوں نے بائیسکل کو دور سے یوں دیکھا جیسے بو سونگھ رہے ہیں۔

اس کے بعد دونوں نے آپس میں مشورہ کیا آخر میں وہ جن کا نام خدا بخش نہیں تھا۔ میرے پاس آئے اور کہنے لگے ''تو آپ سچ مچ بیچ رہے ہیں؟''

میں نے کہا ''تو اور کیا محض آپ سے ہم کلام ہونے کا فخر حاصل کرنے کے لیے میں گھر سے یہ بہانہ گھڑ کر لایا تھا؟''

کہنے لگا ''تو کیا لیں گے آپ؟''

میں نے کہا ''تمہیں بتاؤ۔''

کہنے لگا ''سچ مچ بتاؤں؟''

میں نے کہا ''ہاں!''

پھر کہنے لگا ''سچ مچ بتاؤں؟''

میں نے کہا ''اب بتاؤ گے بھی یا یونہی ترساتے رہو گے؟''

کہنے لگا ''تین روپے دوں گا اس کے''

میرا خون کھول اٹھا اور میرے ہاتھ پاؤں اور ہونٹ غصے کے مارے کانپنے لگے میں نے کہا۔

''او صنعت و حرفت سے پیٹ پالنے والے نچلے طبقے کے انسان! مجھے اپنی توہین کی پروا نہیں لیکن تو نے اپنی بیہودہ گفتاری سے اس بے زبان چیز کو جو صدمہ پہنچایا ہے۔ اس کے لیے میں تجھے قیامت تک معاف نہیں کر سکتا۔'' یہ کہہ کر میں بائیسکل پر سوار ہو گیا اور اندھا

دھند پاؤں چلانے لگا۔

مشکل سے بیس قدم گیا ہوں گا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اچھل کے مجھ سے آ لگی ہے۔آسمان میرے سر پر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کے بیچ میں سے گزر گیا اور ادھر ادھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کیساتھ اپنی اپنی جگہ بدل لی ہے۔حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا میں زمین پر اس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں۔گویا بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا۔اردگرد کچھ لوگ جمع تھے جن میں سے اکثر ہنس رہے تھے۔سامنے وہ دکان تھی جہاں ابھی ابھی میں نے اپنی ناکام گفت وشنید کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔میں نے اپنے گردوپیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ بالکل الگ ہو کر لڑھکتا ہوا سڑک کے اس پار جا پہنچا ہے اور باقی بائیسکل میرے پاس پڑی ہے میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا۔جو پہیہ الگ ہو گیا تھا اس کو ایک ہاتھ میں اٹھایا۔دوسرے ہاتھ میں باقی ماندہ بائیسکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا۔یہ محض ایک اضطراری حرکت تھی ورنہ حاشا وکلا وہ بائیسکل مجھے ہرگز اتنی عزیز نہ تھی کہ میں اس کو اس حالت میں ساتھ ساتھ لئے پھرتا۔

جب میں یہ سب کچھ اٹھا کر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو کہاں جا رہے ہو؟ تمہارا ارادہ کیا ہے؟ یہ دو پہیے کاہے کو لے جا رہے ہو؟

سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا۔فی الحال تم یہاں سے چل دو۔سب لوگ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔سر اونچا رکھو اور چلتے جاؤ۔جو ہنس رہے ہیں انہیں ہنسنے دو۔اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔آخر ہوا کیا محض ایک حادثہ بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ۔

لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائی دے رہے تھے ایک آواز آئی۔"بس حضرت غصہ تھوک ڈالیے۔" ایک دوسرے صاحب بولے "بے حیا بائیسکل گھر پہنچ کے تجھے مزہ چکھاؤں گا۔" ایک والد اپنے لخت جگر کی انگلی پکڑے جا رہے تھے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔"دیکھو! بیٹا یہ سرکس کی بائیسکل ہے اس کے دونوں پہیے الگ الگ ہوتے ہیں؟"

لیکن میں چلتا گیا تھوڑی دیر کے بعد آبادی سے دور نکل آیا اب میری رفتار میں ایک عزمیت پائی جاتی تھی۔میرا دل جو کئی گھنٹوں سے ایک کشمکش میں پیچ وتاب کھا رہا تھا اب

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بہت ہلکا ہو گیا تھا۔ میں چلتا گیا' چلتا گیا۔ حتیٰ کہ دریا پر پہنچا پل کے اوپر کھڑے ہو کر میں نے دونوں پہیوں کو ایک ایک کر کے اس بے پروائی کے ساتھ دریا میں پھینک دیا جیسے کوئی لیٹر بکس میں خط ڈالتا ہے اور واپس شہر کو روانہ ہو گیا۔

سب سے پہلے مرزا کے گھر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا مرزا بولے "اندر آ جاؤ۔"

میں نے کہا" آپ ذرا باہر تشریف لایئے میں آپ جیسے خدا رسیدہ بزرگ کے گھر میں وضو کیے بغیر کیسے داخل ہو سکتا ہوں؟"

باہر تشریف لائے تو میں نے وہ اوزاران کی خدمت میں پیش کیا جو انہوں نے بائیسکل کے ساتھ مفت ہی مجھ کو عنایت فرمایا تھا اور کہا۔

"مرزا صاحب آپ ہی اس اوزار سے شوق فرمایا کیجئے میں اب اس سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔"

گھر پہنچ کر میں نے پھر علم کیمیا کی اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا جو میں نے ایف۔ اے میں پڑھی تھی۔

☆☆☆

# فرہنگ

حواس: ہوش، اوسان، عقل، سمجھ، حاسہ کی جمع۔ تخیل: خیال، تصور، قیاس، شبہ، شک جمع تخیلات۔ استغناء: بے پروائی، بے نیازی، بے فکری۔ گھڑوں پانی پڑنا: نہایت شرمندہ ہونا، شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو جانا۔ درشتی: سختی، بے رحمی، بد خلقی۔ ممسک: پکڑنے والا، روکنے والا، کنجوس، بخیل۔ فٹنوں: فٹن (Phaeton) ایک قسم کی چار پہیوں کی بگھی۔ معترض: اعتراض کرنے والا، روک ٹوک کرنے والا۔ ہست و بود: قیام و وجود، حیات و زندگی۔ ڈھبریاں: ڈھبری، پیچ کے اوپر کا لوہا جس کو پھیر کر پیچ کو کس دیتے ہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM